جدید عربی شاعری کے علم بردار

از

(جناب مولوی رشید احمد صاحب ارشد ایم لے استاد ادبیات عربی کراچی یونیورسٹی)

نپولین بوناپارٹ کا حملۂ مصر مشرقِ وسطی کی بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اسی کے ذریعے مصر مغربی علوم سے آشنا ہوا اس حملہ کے بعد مصر نے نہ صرف علمی اور اقتصادی حیثیت سے ترقی کی بلکہ عربی ادب کی تحریکات میں بھی مصر تمام عربی ممالک کا رہنما بن گیا اس وقت عربی زبان نے جو ممالیکِ مصر کے زوال پذیر عہد میں ایک بگڑی ہوئی عامی زبان بن کر رہ گئی تھی ایک نئی کروٹ لی، قرآنِ کریم کی اس زندۂ جاوید زبان میں مغربی علوم وفنون کے تراجم ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ عربی ادب نمودار ہونا شروع ہوا اس مقصد کے لئے جامعہ ازہر کی ٹمٹماتی ہوئی شمع پھر روشن ہوئی اور وہاں کے علماء کے ذریعہ ان تراجم کی زبان میں فصیح عربی کا عنصر شامل کیا گیا۔ اس علمی اور تعلیمی ترقی کا سہرا محمد علی پاشا کے سر ہے جس نے نہ صرف مصر کو خود مختار بنایا بلکہ اسے علم سے بھی روشناس کرایا اس نے تعلیمی بیداری قائم کرنے کے لئے اہل مصر کو مغربی علوم وفنون، سائنس ورطب جدید سے واقف کرایا۔ اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے تراجم فصیح عربی زبان میں کروائے، اس نے عربی فصاحت کی بنیاد ڈال کر تعلیمی بیداری کے ساتھ ساتھ قوم میں ذہنی اور سیاسی بیداری بھی پیدا کی۔ مگر عربی شاعری کو عروج اس کے بعد اسماعیل پاشا کے زمانے میں ہوا جو خود بھی تعلیم یافتہ انسان تھا اور ادیبوں اور شاعروں کا قدر دان بھی تھا اس کے زمانے میں علی ابو نصر اور علی اللیثی مشہور شاعر تھے

جدید ادبی رجحانات کا پس منظر | اس قسم کے قدیم شعراء نے عربی شاعری کو غیر فصیح اور عامی زبان سے پاک کیا اور خالص فصیح عربی میں قدیم عروض و قافیہ کے ساتھ اشعار کہنے شروع کئے مگر

ان میں کوئی جدت نہ تھی البتہ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کی شاعری مصر کے دورِ تنزل سے بہتر تھی۔ آخر کار حالات نے ایک نئی کروٹ لی جس کے نتیجے میں انگریزوں نے نہر سویز پر قبضہ کرلیا اور خود شاہِ مصر کی غداری کی وجہ سے تمام مصر پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا تھا جس کو اہلِ مصر نے کسی طرح پسند نہیں کیا۔ چنانچہ جب مصری انگریزوں کی غلامی میں آگئے تو اس وقت عوام اور تعلیم یافتہ اشخاص کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہوا اور وہ محسوس کرنے لگے کہ یہ غلامی کا طوق اس لئے ان کے گلے پڑ گیا ہے کہ عوام کی جہالت، نااتفاقی اور سیاسی کمزوریوں کی بناء پر غیروں کو ان پر حکومت کرنے کا موقع ملا ہے چوں کہ ملک کا ایک بڑا طبقہ رفتہ رفتہ فرانسیسی زبان کے ذریعے جمہوریت اور آزادی و حریت کے خیالات سے آشنا ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے اس معاملے میں عوام کی رہنمائی کی، اس حریت و آزادی کی سیاسی تحریک کا علم بردار مصطفےٰ کامل تھا جس نے اپنی تقریروں کے ذریعہ قوم میں آزادی کی روح پھونکی اور اس کے ساتھ ساتھ نئے ادیبوں شاعروں اور صحافیوں نے اپنے مقالات نظموں اور اخبارات کے ذریعے قوم کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس طرح عربی شاعری میں حریت و آزادی اور جمہوریت کے نئے رجحانات پیدا ہوتے۔ ان ادباء و شعراء نے یہ بھی محسوس کیا کہ عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے اور منظم طاقت حاصل کرنے کے لئے انھیں صرف انگریزوں کے خلاف صف آرا کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے انھیں اپنی قوم کی اندرونی کمزوریوں کو دور کرنا بھی ہے۔ قوم میں جہالت اور سیاسی شعور نہ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے غدار لوگ قوم فروشی کرکے انھیں غلط راستے پر لے جائیں اور ان میں انتشار پیدا کریں۔ اس لئے اس کے ساتھ ساتھ انھیں علم کی روشنی سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے انھیں اتحاد و اتفاق کا سبق دینا بھی ہے خواتین بالکل جاہل اور توہمات پرست ہیں انھیں بھی تعلیم دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ جاہل عورتیں بہادر اور مجاہد نوجوان نہیں پیدا کرسکتیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ سخت قسم کا پردہ ترقی کے

راستے میں سخت رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ علاوہ ازیں قوم میں انتہائی غربت و افلاس کا دور دورہ تھا۔ اس لئے اس کا انسداد کرنا بھی ضروری تھا تاکہ یہ سب رکاوٹیں دور ہو کر قوم منظم طریقے سے اپنے اجنبی دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہو سکے۔ لہذا جب ان مسائل کو سامنے رکھا گیا تو قومی رہنما اخبار نویس ادیب اور شاعر سب نے مل کر بیادہ تر انگریزوں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے آواز بلند کی اور اس کے ساتھ قوم کی اندرونی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے بھی کوشش کرتے رہے۔

مذکورہ بالا سیاسی، سماجی، نسوانی اور تعلیمی مسائل پر جن لوگوں نے شدومد کے ساتھ اظہارِ رائے کا آغاز کیا ان میں محمود سامی البارودی اور حافظ ابراہیم کا نام پیش پیش ہے تحریکِ حریت کی شاعری کا بانی البارودی ہے جس نے خود بھی سیاسی تحریک میں عملی حصہ لیا۔ اور اپنی شاعری کے ذریعہ قوم میں آزادی کی روح پھونکی مگر وہ شاعر جس نے مکمل طریقے سے مذکورہ بالا مسائل کو پیش کرتے ہوئے قوم کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچانے کی کوشش کی، وہ حافظ ابراہیم تھا۔

<u>محمود سامی پاشا البارودی</u> البارودی عرابی پاشا کی انقلابی تحریکِ حریت کے لیڈروں میں سے تھا، وہ شمشیر و قلم دونوں کا شہسوار تھا ابتداءً وہ مصر کی اس امدادی فوج کا جرنیل تھا جس نے ترکوں کے دوش بدوش جنگ کر کے بلقان اور کریٹ کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی تھی۔ اس کے بعد وہ مصر کے محکمۂ فوج کا افسر اور محکمۂ اوقاف کا ڈائرکٹر ہو گیا تھا سرکاری حلقوں میں اس کا بہت بلند مقام تھا۔ مگر جب انگریزوں نے اپنی استبدادی حکومت مصر میں قایم کرنی چاہی تو اس موقع پر عرابی پاشا کے ساتھ البارودی نے بھی انگریزوں اور اس وقت کی مصری حکومت برخلاف علم بغاوت بلند کیا جس کے نتیجے میں عرابی پاشا کی بغاوت دبا دی گئی اس وقت البارودی کو جلاوطن کر کے ہندوستان کے قریب جزیرۂ سیلون میں نظر بند کر دیا گیا جہاں اس نے اپنی جلاوطنی کے سترہ سال گزارے اسی عرصے میں اس کی بینائی جاتی رہی تھی بعد میں اسے رہا کر کے

مصر بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے گوشہ نشینی میں باقی وقت گذارا اور ۱۹۰۴ء میں وفات پائی
البارودی نے عربی شاعری کی تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے قدیم انداز کو پھر زندہ کیا۔
اس کی شاعری صنائع بدائع کے دوراز کار تکلفات سے خالی تھی۔ اس کا انداز بیان سنجیدہ
اور پُرشکوہ تھا۔ تحریک آزادی کا علم بردار ہونے کی وجہ سے اس نے سب سے پہلے حریت اور قومیت
کے خیالات عربی شاعری میں پیش کئے اور ایک ایسی شاعری کی بنیاد ڈالی جس کی عمارت کو حافظ
اور شوقی نے اس قدر بلند کر دیا کہ وہاں پہنچنا عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہو گیا۔

بارودی کا کلام قدیم شعراء کے عمدہ طرز کا عطر ہے اس نے تمام اعلیٰ ترین عربی شعراء کے
کلام اور طرز بیان کی خوبیاں اپنے اندر سمولی تھیں اور جب اس کی کسی نظم کا مطالعہ کیا جاتے
تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشاہیر شعراء کی روحیں اس کی روح کے گرد چکر لگا رہی ہیں اور
اس کے اشعار کے اوپر منڈلا رہی ہیں۔ بارودی نے کوئی نیا طرز نہیں ایجاد کیا اور نہ اس نے اچھوتے
مضامین پیش کئے ہیں تاہم وہ عمدہ زبان و تراکیب کو ایسے مضامین و خیالات پر ترجیح دیتا تھا
جنھیں بھدے انداز میں پیش کیا جائے[1]۔ ایک بہادر سپہ سالار ہونے کی وجہ سے قدیم شعراء کی
طرح دلیرانہ اقدامات اور شجاعت کی عظمت و بڑائی کا تذکرہ اس کے کلام میں غالب ہے مگر اس
کے علاوہ اس نے تمام قدیم اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

ولی الدین یکن حافظ اور شوقی کے زمانے میں ولی الدین یکن بھی ان حریت پسند عربی شعراء کی جماعت
میں شامل تھے جنھوں نے مشرقی اور مغربی ادب کو ملا کر ایک نئی اور درمیانی شاہراہ ادب
نکالی اور عربی ادب میں آزادیٔ افکار، حریت پسندی اور جذبات نگاری کا ایک نیا نمونہ پیش
کیا۔ افسوس ہے کہ یہ ہونہار شاعر حافظ اور شوقی سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا اور سلطان
عبدالحمید خاں اور دوسرے ظالم حکمرانوں کے فولادی پنجے نے اس کے جسم کو جکڑے رکھا اس
وجہ سے اس کے نظم و نثر کا ذخیرہ بہت کم ہے اور اس نے اپنے معاصر شعرا کی طرح اس قدر

---

[1] تاریخ الادب العربی للزیات ص ۴۷۵

شہرت بھی حاصل نہیں کی کیوں کہ تقلید پرست زمانہ اس کی قدر شناسی نہیں کر سکا تاہم جیسا کہ غالبؔ کہتا تھا۔

"شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن"

اِسی طرح وہ خود کہتا ہے

"اگر آج اہلِ زمانہ میرے کلام سے روگردانی کر رہے ہیں تو کل ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے فرزند میرے کلام پر فریفتہ ہوں گے۔"

بہرحال ولی الدین یکن کے حساس دل و دماغ نے اپنی شاعری اور نثر نگاری کے ذریعہ ایک طرف سے سلطان عبد الحمید خاں اور دیگر ظالم امراء و حکام کے ظلم و استبداد کے قصر کو مسمار کیا تو دوسری طرف سے بلادِ عربیہ میں حریت و آزادی، انصاف و عدل، جمہوریت پسندی اور روشن خیالی کی روح پھونکی وہ ۱۸۷۳ء میں ترکی میں پیدا ہوا۔ اس لئے ترکی اثرات اس پر غالب تھے اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد صحافت نگاری اختیار کی مگر ترکی خلیفہ سلطان عبد الحمید خاں کے مظالم کا شکار ہو کر جلا وطنی اور قید و بند کی سختیاں برداشت کرتا رہا اس لئے اس نے سلطان مذکور اور ان کے ظالم حکمرانوں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ اور امیر الشعراء شوقی کے برخلاف جو خلافتِ عثمانیہ کے ہمیشہ وفادار رہے، ولی الدین یکن ان کا کٹر مخالف تھا چنانچہ جب خلیفہ عبد الحمید خاں کی معزولی پر شوقی نے اظہارِ افسوس کے طور پر ایک نظم لکھی تھی تو اس نے اس کے جواب میں ایک نظم لکھی جس میں اس کی معزولی پر اظہارِ مسرت تھا اس کے دیوان کی نظمیں سات حصوں میں منقسم ہیں۔

۱۔ سیاسی نظمیں۔

۲۔ مرثیے۔

۳۔ مدح۔

۴۔ ہجو۔

۵۔ ۵۔ دہریات یا شہر آشوب۔

۶۔ غزل یا عاشقانہ نظمیں۔

۷۔ متفرق نظمیں اور قطعات۔

شاعر موصوف کی سیاسی اور وطنی نظمیں بہت زوردار ہیں اسے سرزمین مصر سے والہانہ محبت تھی جس کا اظہار وہ اپنی لطیف اور نرم و نازک شاعری میں کرتا ہے۔ اس کی تمام نظمیں مسلسل خیالات پر مشتمل ہیں۔ جن کی زبان موقع اور محل کے مطابق سیاسی نظموں میں زوردار اور غزلوں میں نرم و نازک ہے۔ دیوان مختصر ہے مگر تنوع اور بیش قیمت خیالات کا حامل ہے شاعر موصوف نے ۱۹۳۱ء میں وفات پائی[1]۔

ولی الدین یکن کی شاعری اس زمانے کے ماحول پر شدید تنقید کی آئینہ دار تھی۔ اس کی شاعری محض بزم اور محفل کی زینت نہ تھی جیسا کہ اس کے معاصر اسماعیل صبری کی شاعری تھی بلکہ وہ اپنے زمانے کی سیاست اور ماحول کے خلاف سخت تنقید تھی اس زمانے میں مغرب اور انگریزوں کے اثر سے جمہوریت اور اصلاح معاشرت کی تحریکات زوروں پر تھیں اس لئے اس نے ان تحریکات کی پُرجوش حمایت کی۔ جمہوریت اور مغربی معاشرت کی تائید میں وہ اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ وہ انگریزوں کی جمہوری حکومت کو پسند کرتا تھا اور چونکہ ابھی تک انگریزوں کی استعماری چالیں بے نقاب نہیں ہوئی تھیں اور انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ عوام میں شدید نہیں ہوا تھا، اس لئے مصری تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت، جو سلطان عبد الحمید خاں کے ظلم و استبداد کا بری طرح سے شکار ہو چکی تھی، انگریزوں کو ترکوں پر ترجیح دینے لگی کیوں کہ انگریزوں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ملکی اور قومی ترقی میں ان کی بہت مدد کریں گے اس طرح وہ انگریزوں کی اس پالیسی کا شکار ہو گیا کہ مصر میں ترکوں کے خلاف جذبۂ نفرت و حقارت بڑھا کر انھیں اپنا حامی بنا لیا جائے چنانچہ ولی الدین یکن نے بھی اپنی جمہوریت پسندی کی بنا پر اپنے بعض اشعار اور تحریروں میں انگریز افراد کی حمایت محض اسی بنا پر کی تھی کہ اس کے خیال میں یہ قوم جمہوریت اور آزادی پسند ہے۔

[1] ولی الدین کے مزید حالات اور سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ مندرجہ العلم کراچی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۵۵ء

اور دوسری قوموں کو جس میں مصر بھی شامل ہے، آزاد کرانا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے ایڈورڈ ہفتم کے انتقال پر اس کے مرثیے میں یہ اشعار کہے تھے

ابا الاحرار لا ینساک حُرٌّ — شبابهم یجلّک والکهول
دفعت بناءهم وجریت معهم — کذاک اللیث یتبعه الشبول
تنادیک الشعوب بکل ارضٍ — فلیتک سامع ماذا تقول

۱۔ اے حریت پسندوں کے باپ تمھیں کوئی حریت پسند فراموش نہیں کر سکتا۔ اس گروہ کے نوجوان اور بوڑھے دونوں تیری تعظیم کرتے ہیں۔

۲۔ تم نے ان کی (آزادی کی) عمارت کو بلند کر دیا اور ان کے ساتھ دوڑتے رہے۔ شیر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے شیروں کے بچے دوڑتے پھرتے ہیں۔

۳۔ ہر ملک و زمین کی قومیں تمھیں پکار رہی ہیں (کاش جو کچھ وہ کہہ رہی ہیں اسے تم سن سکتے)

اس کے برخلاف جب سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی پر شوقی نے اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک نظم لکھی تو ولی الدین یکن اس پر بہت برافروختہ ہوا اور نہایت غضب ناک لہجے میں اس نے اس کی تردید میں ایک نظم لکھی جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

هاجتک خالیة القصور — وشجتک آفلة البدور
وذکرت سکّان الحمی — ونسیت سکّان القبور
وبکیت بالدمع الغزیر — لباعث الدمع الغزیر
ولواهب المال الکثیر — وناهب المال الکثیر
حامی الثغور الباسمات — مضیع آهلة الثغور

۱۔ تمھیں شاہی محلات کی ویرانی نے تڑپا دیا اور وہاں کے بدر کامل کے غروب نے تمھیں بہت رنجیدہ کیا۔

۲۔ تم نے وہاں کے محفوظ مقامات کے باشندوں کا تذکرہ تو کیا مگر وہ لوگ (جو اس کے ظلم

وستم کا شکار ہو کر قبروں میں دفن ہو چکے ہیں انھیں تم فراموش کر چکے ہو۔

۳۔ تم اس پر آنسو بہا رہے ہو جو (عوام) کو خوب رلانے کا ذریعہ بنا تھا۔

۴۔ تم اس کو رو رہے ہو جو دوسروں کا مال لوٹ کر لوگوں پر بخشش کرتا تھا۔

۵۔ سرحدوں کی حفاظت کرتا تھا مگر سرحد کے رہنے والوں کو تباہ و برباد کر رکھا تھا۔

ان اشعار کے بعد اس نے شوقی کی ذات پر براہ راست اس طرح حملہ کیا

لَمَّا اُدِیْلَ مِنَ السَّرِیر بُکاہ عُبَّاد السریر

اسِفوا علیہ وانّما اسفوا علی المال الوفیر

(اور جب وہ تخت سے اتارا گیا تو تخت و تاج کے غلاموں نے اس پر آنسو بہاتے انھوں نے اس پر اظہار افسوس کیا مگر حقیقت میں ان کا اظہار افسوس اس مال کثیر کی وجہ سے تھا (جو انھیں ملا کرتا تھا اور اب یہ بخشش کا دروازہ بند ہو گیا ہے)

اس زمانے کی گوناگوں و پیچیدہ سیاسی حالات کی بنا پر ولی الدین یکن کے لئے مشکل تھا کہ وہ خلافتِ عثمانی کے تعصبات اور ظلم و استبداد کے مقابلے میں انگریزوں کے جمہوری دور، اور ان کی حریت پسندی کی تعریف نہ کرتے یہی وجہ ہے کہ مشہور عربی نقاد ڈاکٹر محمد مندور اپنے ایک مقالہ میں ولی الدین یکن کی شاعری کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے آخر میں یہ فیصلہ صادر کرتا ہے۔

"یہ حقیقت ہے کہ ولی الدین یکن کا زمانہ مختلف سیاسی نظریوں میں منقسم تھا اور لوگوں کا مختلف سیاسی نظریوں میں سے کسی ایک پر قائم رہنا بہت دشوار ہو گیا تھا وہ تذبذب کی حالت میں تھے اور صحیح راستہ معلوم کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا لہذا ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم ان ناگزیر اور نامساعد حالات اور ماحول پر اظہار افسوس کریں جنھوں نے سازش کر کے شاعر موصوف کو انگریزوں کے کیمپ کے قریب لا کھڑا کر دیا تاکہ وہاں جاکر خلافت عثمانی کے ظلم و استبداد سے بچ سکے اس چیز سے اس کی شہرت کو دھکا لگا اور اس

کی اس شاعرانہ اور ادبی عظمت کو نقصان پہنچا۔ جس کا وہ ایک عظیم شاعر اور عظیم انشا پرداز کی حیثیت سے مستحق تھا۔ تاہم وہ ایک خوددار اور حریت پسند انسان تھا جو کسی کی خوشامد کرنا نہیں جانتا تھا۔ اور فانی زندگی کی حقیر چیزوں کے حصول کے لئے اس نے اپنے قلم اور ذہانت کا کبھی بے جا استعمال نہیں کیا"۔

ولی الدین یکن کے متعلق یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ اس نے اپنا مقصدِ زندگی شاعر بننا اور اس میں کمال پیدا کرنا نہیں قرار دیا۔ وہ پیشہ ور شاعر نہیں تھا بلکہ اس نے ظلم و ناانصافی کے خلاف جہادِ مسلسل کا اسے ایک ذریعہ قرار دیا تھا۔ نظری طور پر وہ ایک صحافی تھا جس نے اخبارات اور نثر کو اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا مگر زمانہ کی برائیوں کے خلاف اس کے جذبات اس قدر بھڑک چکے تھے کہ نثر کے سیدھے سادے الفاظ اس کے اظہار کے لئے ناکافی ثابت ہوئے اس لئے وہ شدید قسم کے جذبات کو نظم میں ادا کرنے پر مجبور ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کے مجموعوں میں جو "الصحائف السود" "التجاريب" اور "المعلوم والمجھول" کے نام سے مشہور ہیں، ہر مضمون کا آغاز اپنے چند اشعار سے کرتا ہے جو اس کے گہرے اور شدید جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں[1]۔ بہرحال وہ قید و بند کے مصائب اور سیاسی اور معاشرتی الجھنوں میں اس قدر گرفتار رہا کہ وہ اشعار کا بہت بڑا مجموعہ نہیں تیار کرسکا جس کی بنا پر اسے شوقی و حافظ کے مقابلے میں پیش کیا جاسکے تاہم اس کے اشعار کی سہل ممتنع زبان اور اس کے پُرخلوص جذبات پڑھنے والے پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کی شاعری اور اس کی قلم خود اسے اپنی زندگی میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی تاہم اسے یقین تھا کہ اس کے خیالات اس کی قوم کو ضرور فائدہ پہنچائیں گے اور جب ظلم و ستم کا تاریک دور ختم ہوجائے گا اس وقت اس کے ہم وطن عرب اور ترک اس کے خیالات اور اصلاحی تجاویز کی قدر کریں گے۔ اس امید کا اظہار اس نے اپنے ان دو شعروں میں کیا تھا جن کے متعلق اس نے یہ

---

[1] مجلۃ الادیب بیروت ماہ جنوری سنہ ۱۹۵۶ء صفحہ نمبر ۸۷

وصیت کی تھی کہ وہ اس کے دیوان کے سرورق پر اس کی تصویر کے نیچے درج کر دیئے جائیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

مَاکانَ اَھنانی وَاَسعَدنی لوکان ینفع معشری قلمی

انانی فؤادہ انزھہ لکن یُراقِبُ مایقول فمی

۱۔ میرے قلم نے میری زندگی کو خوش گوار نہیں بنایا کاش میرا قلم میری قوم کو فائدہ پہنچاتا۔

۲۔ میں اپنے دل کو بالکل پاک وصاف قرار نہیں دے سکتا مگر وہ الفاظ جو میرے منہ سے نکلتے تھے، دل ان کی نگرانی ضرور کرتا تھا۔[۱]

اپنی کتاب "المعلوم مجہول" کو شائع کرتے وقت اس نے یہ لکھا تھا "اس کتاب میں چند چیزیں بیان کی گئی ہیں اور چند چیزیں چھوڑ دی گئی ہیں دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ انسان اپنے دل کی ہر بات کو صاف ظاہر نہیں کر سکتا۔ جب ظلم وستم کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور عوام عدل وانصاف کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے اس وقت وہ میری کتاب کو اطمینان سے پڑھیں گے اور اگر خداوند تعالیٰ نے ہماری قوموں کو اس سے زیادہ ترقی عطا کی اور اس وقت تک میں زندہ رہا تو اس وقت میں اپنے دل کی بات اشاروں کے بجائے صاف صاف بیان کروں گا۔

اسماعیل صبری | ولی الدین یکن کا معاصر مگر اس سے متضاد خصوصیات کا حامل اسماعیل صبری بھی ابتدائی دور کے جدید عربی شعراء میں بلند مقام پر فائز ہے یہ دونوں شاعر شوقی اور حافظ کی شہرت کے سامنے ماند پڑ گئے تھے تاہم جدید شاعری کے پیش رو کی حیثیت سے انھیں بالکل نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسمٰعیل صبری ۱۸۵۴ء میں بمقام قاہرہ پیدا ہوا ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مصری طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ فرانس اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا وہاں اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی مصر واپس آکر وہ جج مقرر ہوا اس کے بعد بتدریج حکومت کے اعلیٰ

---

[۱] محاضرات عن ولی الدین یکن از دکتور محمد مندور مطبوعہ مطبعۃ نہضۃ مصر قاہرہ۔

سرکاری عہدوں پر سرفراز ہوا۔

۱۹۰۷ء میں وہ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوا وہ مصر کے اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اس کی شاعری عوامی جذبات اور خیالات کی ترجمانی نہیں کرتی۔ مصر کے حوادث اور دنیا کے اہم واقعات کا اثر اس پر بالکل نہیں ہے وہ ڈرائنگ روم کا شاعر اور اعلیٰ مہذب طبقے کی "بزم خاص" کی شمع محفل بنا رہا، ایک بڑی خصوصیت اس کے کلام کی یہ ہے کہ اس کی شاعری تڑپا دینے، سوز و گداز، اور شدید احساسات سے خالی ہے اس کا نرم و نازک کلام مکمل سکون اور ٹھنڈک بخشنے والا ہے، اور ولی الدین یکن کی طرح اس میں کسی قسم کی تلخی، شدت، احساسِ طنز، اور مایوسی کا جذبہ نہیں ہے اسی طرح حافظ ابراہیم کے کلام کی طرح مصر کے حوادث اور اہم سیاسی واقعات سے بے نیاز ہے۔

اس نے فرانس میں اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی تھی تاہم اس کی ابتدائی شاعری عربی کے قدیم کلاسکل انداز میں رہی مشہور مصری نقاد زیات کے قول کے مطابق وہ عباسی دور کے مشہور جمالیاتی شاعر محتبری کا پیرو رہا اس مشہور شاعر کی طرح وہ عمدہ اور فصیح و نازک الفاظ اور اچھوتے خیالات اپنی شاعری میں پیش کرتا رہا اور ساری عمر محبت، حسن، دوستی، اور موت کے گیت گاتا رہا۔ اس کے نرم، نازک الفاظ اور فصیح اندازِ بیان محتبری کی یاد کو تازہ کرتے رہیں گے جس کے متعلق ابوالعلاء المعری کا مقولہ ہے کہ متنبی اور ابو تمام فلسفی ہیں مگر حقیقی شاعر محتبری ہے[۱]۔

اسماعیل صبری کے کان موسیقیت سے آشنا تھے اس لئے اس کے الفاظ و تراکیب میں موسیقیت اور ترنم ہے اس کی شاعری سراسر غنائیہ ہے اور اس لئے ابتدائی قصائد کو چھوڑ کر، عام طور پر مختصر نظمیں اور قطعات لکھے ہیں اور زبردستی شعر کہنے کی کوشش نہیں کی ہے جب اس کی طبیعت شعر کہنے پر آمادہ ہوتی تھی اس وقت وہ شعر کہا کرتا تھا۔

اس کا کلام مہذب شہریوں کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور خاص کر

---

[۱] تاریخ الادب العربی للزیات مطبوعہ مصر۔

وہ قاہرہ کے اس اعلیٰ طبقے کے سبک اور نرم و نازک جذبات کا ترجمان ہے۔ جن میں تلخی طنز اور جذبات کی شدت و گہرائی نہیں ہے۔ وہ ملک کی سیاست و معاشرت پر تنقید نہیں کرتا ہے اور نہ اسے قوم کے احساسات کی ترجمانی سے تعلق ہے وہ صرف اپنے دل کے نازک جذبات کو اپنے اشعار میں پیش کرتا ہے جو عام طور پر دوستوں کی بے وفائی، ہجر و جدائی کی سوزش، اندرونی محبت کی کسک، فلسفہ، حسن و موت کے اظہار پر مشتمل ہیں یہاں تک کہ موت بھی اس کے نزدیک ڈراؤنی اور قابلِ نفرت نہیں ہے بلکہ اس کا خیال ہے کہ وہ شفیق ماں کی طرح انسان کی ہمدرد ہے اور اس کے رنج و غم کو دور کرتی ہے چنانچہ ایک موقع پر کہتا ہے

یاموت، ھا أنا ذا فخذ　　ما أبقت الایام منّی
بینی و بینک خطوۃ　　ان تخطھا فرّجت عنّی

۱۔ اے موت! میں تمھارے سامنے (موجود) ہوں (حادثات) زمانہ نے جو کچھ (طاقت) مجھ میں چھوڑ دی ہے وہ تم لے جاؤ۔

۲۔ میرے اور تمھارے درمیان ایک قدم (کا فاصلہ) ہے اگر تم (یہ قدم) عبور کر لوگی تو مجھے (ان تکلیفوں سے) نجات دو گی۔

وہ زندگی کی تکلیفوں سے اکتا کر موت کی مادرانہ آغوش میں پناہ لینے کے فلسفۂ حیات و ممات کو اس طرح بیان کرتا ہے

ان سئمت الحیاۃ فارجع الی الارض　　تنم آمنا من الاوصاب

۱۔ اگر تم زندگی سے اکتا گئے ہو تو زمین کی طرف رجوع کرو۔ وہاں تم رنج و غم سے محفوظ رہ کر چین کی نیند سوؤ گے۔

تلک أمّ أحنی علیک من الأم　　التی خلقتک للا تعاب

۲۔ وہ اس ماں سے بھی زیادہ تم پر مہربان ہے جس نے تمھیں تکلیفوں کے لئے پیدا کیا تھا۔

زعموھا فالممات لیس بماح　　منک الا ما تشتکی من عذاب

۳۔ ذرہ مت! موت تمھیں نہیں مٹائے گی۔ البتہ وہ تمھاری تکلیفوں کو دور کر دے گی۔

وحیاۃ المرءِ اغتراب فانْ مات فقدْ عادَ سالماً للتراب

۴۔ انسان کی دنیاوی زندگی ایک سفر ہے جب وہ مرتا ہے تو وہ صحیح وسالم اپنی زمین کے اندر واپس آجاتا ہے۔

اسماعیل صبری کے کلام کو اس کی خصوصیات کی بنا پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ اس کا ابتدائی کلام ہے جو قدیم طرز کے مطابق مصر کے بادشاہ اسماعیل پاشا اور توفیق پاشا اور دیگر امرار مصر کی مدح وتہنیت میں ہے۔ قدیم طریقے کے مطابق اس کی ابتدار غزل اور تشبیب سے ہوتی ہے، یہ ابتدائی کلام اپنے قدیم طرز کے باوجود اس کی قادر الکلامی اور سلاست بیان کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

اس کے کلام کا دوسرا حصہ ہی اس کی اصل خصوصیات کا آئینہ بردار ہے۔

وہ اپنے شعروں میں الفاظ کے انتخاب میں بہت محنت اور کاوش کرتا تھا۔ اور ان میں مناسب کانٹ چھانٹ اور چھان بین کے بعد بہت چھوٹی نظمیں کہا کرتا تھا۔ اس کے قطعات دو شعروں سے چھ شعروں تک ہوتے تھے[1]

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اس کے کلام میں سکون ہے۔ اس لئے وہ اپنے دشمنوں سے بھی انتقامی جذبہ کا اظہار نہیں کرتا ہے بلکہ صلح پسندی کا ثبوت پیش کرتا ہے چنانچہ اس بارے میں وہ یوں رقم طراز ہے

اذا خانني خلٌّ قديم وعقّني فوّقتُ يوماً في مقاتله سهمي

جب کبھی میرا پرانا دوست مجھ سے بے وفائی کرتا ہے اور میری نافرمانی کرتا ہے تو اس وقت میں تیر کمان لے کر اس سے جنگ کے لئے تیار ہو جاتا ہوں۔

تعرض طيف الود بيني وبينه فكسّرتُ سهمي وانثنيتُ فلم ارمِ

---

[1] جواہر الادب للہاشمی مطبوعہ مصر

مگر اس وقت قدیم محبت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میں تیر کمان توڑ کر لوٹ جاتا ہوں پھر اس پر تیر نہیں چلاتا۔

آخر عمر میں جب وہ گوشہ نشین ہو گیا تھا اور ادبی حلقے اسے بھول گئے تھے۔ تو ایسے موقع پر بھی اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کے خلاف اس کے دل میں کوئی تلخی نہیں پیدا ہوئی بلکہ اس نے اپنے شعروں میں ان جذبات کا اظہار اس طرح کیا۔

أين صبري من يذكر اليوم صبري   بعد أعوام غزلة وشهور

اسألوا الشعر فهو أعلم هلا   أكلته الأسماك طي البحور

۱۔ صبری کہاں ہے؟ آج صبری کو کون یاد کرے گا جب کہ وہ کئی سالوں سے گوشہ نشین ہو گیا ہے

۲۔ تم شعر و شاعری سے دریافت کرو جو اس سے بہتر طریقے سے واقف ہیں کہ آیا اسے مچھلیاں سمندر کی تہہ میں کھا گئی ہیں یا نہیں!

اسماعیل صبری پر کون کون سے شعراء کے اثرات ہیں؟ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے بعض نقادوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چوں کہ صبری نے فرانس میں تعلیم حاصل کی تھی اس لئے اس زمانے کے فرانسیسی ادب (اور شاعری) کا اثر اس پر غالب ہے کیوں کہ اتفاق سے اس زمانے کی فرانسیسی شاعری اس کی طبیعت اور قاہرہ کے ماحول سے خاص طور پر مناسبت رکھتی تھی۔ بالخصوص وہ مشہور فرانسیسی شاعر لامارتین سے زیادہ متاثر ہے مشہور مصری نقاد عباس عقاد کی یہی رائے ہے۔ اس کے ثبوت میں اس کی وہ مشہور نظم پیش کی جاتی ہے جو اس نے ۱۹۰۱ء میں "لواء الحسن" کے نام سے شائع کرائی تھی جس میں اس نے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق حسن و محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

مگر مصر کے نوجوان نقاد ڈاکٹر مندور کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ انھوں نے لامارتین اور فرانسیسی ادب و شاعری کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ صبری کی اس نظم اور فرانسیسی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے[1]

[1] ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر محمد مندور در مجلہ الادیب بیروت مارچ ۱۹۵۶ء

اسماعیل صبری خوش قسمت انسان ہے کہ کچھ عرصے سے اس کی شاعری کی طرف بڑے بڑے نقادانِ فن متوجہ ہو رہے ہیں۔ اس کے مخالف اور موافق دونوں اس پر تنقید کر رہے ہیں۔ چنانچہ مخالفین میں احمد محرم اور عمر دسوقی ہیں جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ تقلیدی شاعر ہے۔ ڈاکٹر محمد صبری اور ڈاکٹر محمد حسن ہیکل اور عقاد نے اپنی کتابوں میں شاعر موصوف کے ساتھ زیادہ انصاف کیا ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین، انطون الجمیل، احمد امین احمد الزین نے اس کے دیوان پر مقدمات لکھ کر شاعر موصوف کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔[1]

مشہور عربی ادیبہ اور شاعرہ مس زیادہ نے صبری کی اصل خصوصیات کو معلوم کر کے اس کی شاعری کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے شاعر موصوف کے مندرجہ ذیل دو شعروں کو بہت پسند کیا ہے۔

اقصی فؤادی فما الذکری بنافعۃ | ولا بشافعۃ فی رد ما کانا
سلا الفؤاد الذی شاطرتہ زمنا | حمل الصبابۃ فاخفق وحدک الآنا

۱۔ اے دل! تو یاد میں کمی کر کیوں کہ بہت یاد کرنا نہ تو کچھ زیادہ فائدہ مند ہے اور نہ گزری ہوئی باتوں کو لوٹانے کی سفارش کر سکتا ہے۔

۲۔ وہ دل نہیں رہا جو عرصۂ دراز تک محبت کے بارِ گراں کو اٹھانے میں تیرا شریک تھا اس لئے اب تو تنِ تنہا دھڑکتا رہ۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ان شعروں پر اس طرح رائے زنی کی ہے۔

"کیا تم (شعروں کی) اس روح سے زیادہ اور کوئی شیریں روح معلوم کر سکتے ہو اور اس جذبہ سے زیادہ اور کون سا جذبہ صادق ہو سکتا ہے جس کا لہجہ بہت ہی زیادہ نرم و نازک اور جس کی موسیقی بہت زیادہ لطیف اور شاندار ہو۔ مصری عوام کے جذبات کی ترجمانی اس موسیقیت سے بہتر نہیں ہو سکتی کہ اس سے پہلے شعر میں نافعۃ و شافعۃ کے الفاظ کو مناسب طریقہ سے مربوط کیا گیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مصری عوام کی معمولی روزمرہ کی گفتگو سے ماخوذ

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ دیوان اسماعیل صبری ۳۵

ہیں مگر شعر میں انھیں استعمال کر کے یہ الفاظ نہایت شاندار طریقے سے بلند ہو گئے ہیں اور سادہ ہونے کے باوجود بہت بڑی عظمت حاصل کر گئے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر کوئی مغنی انھیں اپنے گیتوں میں شامل کرے"۔ [۱]

ڈاکٹر محمد صبری اپنی کتاب میں اسماعیل صبری کی شاعری کی تحلیل و تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

"ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ صبری اپنے ہم عصروں میں غنائیہ شاعری میں منفرد ہیں۔ اس پر مزید ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ادب عربی میں اس کو اس بلند منصب پر سرفراز کرنے والے اس کے وہ قطعات ہیں جو آسمان کی بلندیوں میں گھومتے رہتے ہیں ان قطعات کی امتیازی خوبی صرف اس کے جدید اور نادر معانی تخیلات میں نہیں ہے جن کے بغیر لوگ اس کے اشعار کو سمجھ نہیں سکتے بلکہ ان قطعات کا نمایاں وصف اس روح میں پوشیدہ ہے جو ان میں سے چھن چھن کر نظر آتی ہے ان میں جذبات و احساسات کی ایسی پرسکون تصویر کھینچی گئی ہے جس میں تصنع کی آمیزش نہیں ہے یہ تصویر عقل سے پہلے قلب کو مخاطب کرتی ہے (قلبی جذبات کو اپنی طرف متوجہ کراتی ہے) اس کی شاعری اپنے حقیقی صاف چشمے سے سیراب ہے۔ کیوں کہ شعر شعور کا دوسرا نام ہے اور یہ عروضی اوزان محض ایک نغمہ ہیں"۔ [۲] (باقی آیندہ)

---

[۱] مقدمہ دیوان اسماعیل صبری [۲] ادب و تاریخ مطبوعہ قاہرہ، مصر

خلافت راشدہ

حصہ دوم تاریخ ملت :- عہد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات قدیم و جدید عربی تاریخوں کی بنیاد پر صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب کالجوں اور اسکولوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق ہے۔ جدید ایڈیشن صفحات ۳۷۶ قیمت ۴ روپے۔ مجلد ۱۲ روپے۔